33

بظاہر آنے والے دن ہماری جماعت کے لئے زیادہ خطرناک اور زیادہ قربانیوں کا مطالبہ کرنے والے ہوں گے

(فرمودہ 13 ستمبر 1946ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

"زمانہ کے حالات بسُرعت بدل رہے ہیں اور ہر آنے والا تغیّر ہماری جماعت کے لئے زیادہ سے زیادہ مشکلات پیدا کرنے والا معلوم ہوتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ سے ہجرت فرمائی تو بظاہر حالات یہ تبدیلیٔ مقام اپنے اندر بہت سے خطرات رکھتا تھا لیکن مسلمانوں کی قربانیاں اور اخلاص مل کر اللہ تعالیٰ کے فضل کے جاذب ہوئے اور وہی چیز جو بظاہر ایک تکلیف دہ اور پُر مصائب نظر آتی تھی وہی آرام اور راحت کا موجب بنی۔ اور وہی چیز جو ناکامی اور نامرادی کا ذریعہ نظر آتی تھی وہی اسلام کی ترقی اور مسلمانوں کی کامیابی کا ذریعہ ثابت ہوئی۔ مکہ والوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے نکلنے پر مجبور کیا۔ گو وہ اپنے قتل کے منصوبوں میں ناکام رہے لیکن وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ چھوڑ جانے کو بھی اپنی فتح ہی سمجھتے تھے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لے جانے کے بعد مکہ والوں نے مسلمانوں پر اس طرح ظلم کرنا چھوڑ دیا جس طرح وہ پہلے کیا کرتے تھے اور تین چار ماہ مسلمان اس قسم کی تکلیفوں سے بچے رہے کیونکہ مکہ والے سمجھتے تھے کہ ہم نے محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو نَعُوْذُ بِاللہ ختم کر دیا ہے۔ لیکن جب مکہ والوں نے دیکھا کہ جس چیز کو ہم اپنے لئے فتح سمجھتے ہیں وہ

دراصل ہماری شکست بن رہی ہے اور وہ چیز جسے ہم نے محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے ساتھیوں کے لئے ناکامی اور نامرادی کا باعث سمجھا تھا وہ حقیقت میں اُن کے لئے کامیابی اور بامرادی کا ذریعہ بن گئی ہے۔ اور وہ شخص جسے ہم نے گھر سے بے گھر اور بے دَر کرنے کی کوش کی ہے وہ تو بہت سے گھروں کا مالک ہو گیا ہے تو مکہ والوں میں نئے سرے سے جوش پیدا ہوا اور انہوں نے پھر مسلمانوں کو دکھ اور عذاب دینے شروع کر دیئے۔ پس وہ چیز جسے دشمنوں نے مسلمانوں کی ناکامی اور نامرادی کا ذریعہ سمجھا وہی اُن کے لئے کامیابی اور بامرادی کا ذریعہ بن گئی اور وہی تکلیفیں اور دکھ مسلمانوں کے لئے راحت و آرام کا موجب بن گئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آپ کے دشمنوں نے جلانے کی کوشش کی اور وہ یہی سمجھتے تھے کہ آج ابراہیمؑ کو آگ میں جلا کر ان کا خاتمہ کر دیں گے۔ لیکن وہ اپنی اس کوشش میں بالکل ناکام رہے۔ اور وہی آگ عوامُ النّاس کے خیالات کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے گلزار بن گئی۔ اور ہمارے نزدیک یہ معجزہ اِس طور پر رونما ہوا کہ دشمن بڑی کوشش سے آگ جلاتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ جھٹ تیز ہوائیں چلا دیتا تھا جو اس آگ کو بجھا دیتی تھیں یا اللہ تعالیٰ بادل بھیج دیتا تھا جو آ کر زور سے برستے تھے اور آگ کو بجھا دیتے تھے۔ وہ اجتماع اس لئے ہوا تھا کہ لوگ دیکھیں کہ ابراہیمؑ کس طرح جلتا ہے۔ بادشاہ اور اُس کے امراء اور وزراء اور عوامُ النّاس کا ہزاروں لاکھوں کا مجمع جمع ہو گیا کہ وہ دیکھیں کہ ابراہیمؑ کس طرح جلتا ہے لیکن وہاں اُنہوں نے کچھ اَور ہی نظارہ دیکھا کہ لکڑیوں کا ایک بہت بڑا الاؤ حضرت ابراہیمؑ کو جلانے کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ لوگ لکڑیوں کو آگ لگاتے ہیں۔ جب وہ آگ بھڑکنے لگتی ہے تو تیز ہوائیں یا تیز بادل آ کر برستے ہیں اور اُس آگ کو بجھا دیتے ہیں۔ گویا اُس دن زمین و آسمان کی لڑائی ہو رہی تھی۔ بادشاہ اور امراء، وزراء آگیں لا لا کر ان لکڑیوں کو لگاتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کے فرشتے کبھی ہواؤں کے ذریعہ اور کبھی بارش کے ذریعہ اس آگ کو بجھا دیتے تھے۔ گویا زمین و آسمان آپس میں لڑ رہے تھے۔ اہلِ زمین جن میں بادشاہ اور اس کے امراء اور وزراء اور قومیں شامل تھیں وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلانے کی کوشش کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی فوجیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بچانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ اور زمین و آسمان میں

صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی وہ شخص تھے جو فارغ بیٹھے اس تماشہ کو دیکھ رہے تھے۔ غرض وہی چیز جسے دشمن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذلت اور رسوائی کا موجب سمجھتے تھے وہی آپ کے لئے عظیم الشان نشان بنی اور بے ایمانی اور کفر کو مٹانے اور آپ کے ماننے والوں کے لئے ازدیادِ ایمان کا موجب بنی۔ آپ کے ماننے والے سینکڑوں بلکہ ہزاروں سال سے آپ کے اس معجزہ کو پیش کرتے ہیں۔ لیکن اس وقت ہمیں جو مشکلات درپیش ہیں مَیں ان کے متعلق نہیں کہہ سکتا کہ وہ ہمارے لئے کامیابی کا موجب ہوں گی یا ناکامی کا باعث بنیں گی۔ نتائج تو خدا تعالیٰ کے پاس ہیں۔ ظاہر کو دیکھتے ہوئے یہی نظر آتا ہے کہ یہ مشکلات اور یہ مصائب احمدیت کے رستے میں روکیں پیدا کریں گے۔ خواہ دیدہ و دانستہ طور پر روکیں پیدا کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ لیکن قدرتی طور پر روکیں پیدا ہوتی نظر آتی ہیں اور ایسے حالات پیدا ہو رہے ہیں کہ جن کی وجہ سے لوگوں کی توجہ تحقیقِ حق کی طرف سے پھر جانے کا خطرہ ہے۔ مَیں نے پچھلے خطبہ میں بتایا تھا کہ ہمارا کام ساری قوموں سے جُدا گانہ ہے اور بعض لحاظ سے کوئی قوم ایسی نہیں جس کی مشکلات ہمارے جیسی ہوں۔ اور بعض لحاظ سے ہماری جماعت کو ابھی تک وہ قربانیاں نہیں کرنی پڑیں جو پہلے انبیاء کی جماعتوں کو کرنی پڑی تھیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت کو تیرہ سال مکہ میں اور آٹھ نو سال تک مدینہ میں سخت سے سخت تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی وہ لوگ قربانی کے تنوروں میں جھونکے گئے۔ آپ کی وفات کے بعد بارہ تیرہ سال تک مسلمان سخت مصائب میں مبتلا رہے۔ جس قسم کی قربانیاں آپ کے صحابہؓ نے پیش کیں اس قسم کی قربانیاں ہم نے پیش نہیں کیں۔ اور جس قسم کے مصائب ان لوگوں پر نازل کئے گئے اور جس قسم کی تکلیفیں ان لوگوں نے برداشت کیں وہ تکلیفیں ہمیں پیش نہیں آئیں۔ اِس میں شبہ نہیں کہ ہماری جماعت چندے میں بہت حد تک باقاعدہ ہے اور ہماری جماعت کے بہت سے افراد ایسے ہیں جنہوں نے احمدیت کی خاطر گالیاں سنیں۔ اور بہت سے افراد ایسے ہیں جنہوں نے احمدیت کی خاطر ماریں کھائیں۔ اور بعض افراد ایسے بھی ہیں جو قتل کئے گئے لیکن پھر بھی ہماری قربانیاں اس معیار سے بہت نیچے ہیں جس پر صحابہؓ کی قربانیاں تھیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ صحابہؓ کے لئے باقاعدہ چندے کا حکم نہیں تھا

لیکن اِس کا یہ مطلب نہیں کہ انہیں چندہ دینے کی توفیق تو تھی مگر اس کے باوجود ان کے لئے باقاعدہ چندے کا حکم نہ تھا بلکہ اصل وجہ یہ تھی کہ صحابہؓ کے سارے مال لُوٹ لئے گئے تھے۔ آخر زکوٰۃ تو اسی شخص پر واجب ہے جس کے پاس کچھ ہو۔ لیکن صحابہؓ کی جائیدادیں اور ان کے اموال تو اللہ تعالیٰ کے رستے میں ان سے لے لئے گئے تھے۔ اس کے باوجود ان کے دلوں میں مالی قربانی کی اتنی شدید خواہش ہوتی تھی کہ ان واقعات کو پڑھ کر انسان کا دل ہاتھوں سے نکلتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ جس طرح مکہ حضرت ابراہیمؑ کی نسل کے لئے ایک اجنبی جگہ تھی اِسی طرح مدینہ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اور آپ کے ساتھیوں کے لئے اجنبی جگہ تھی۔ جس طرح مکہ پر حضرت ابراہیمؑ کی نسل کو حکومت ملی اسی طرح مدینہ پر رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے ساتھیوں کو حکومت ملی۔ حضرت اسماعیلؑ کے پوتے جو اس علاقہ کے رئیس کے داماد تھے اللہ تعالیٰ نے اُن کو اس ملک کا حاکم بنا دیا۔ حالات نے کچھ ایسا پلٹا کھایا کہ بنو اسماعیل کی اصل ساکنینِ مکہ سے لڑائی ہوگئی اور مکہ کی بادشاہت حضرت اسماعیل کی نسل کو مل گئی اور یہ حکومت رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے زمانے سے پہلے تک چلی آئی۔ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے دادا کے بعد آپ کے چچا ابو طالب کے پاس آئی لیکن رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی نصرت اور مدد کرنے کی وجہ سے آپ کے چچا آمدنی کے ذرائع سے محروم ہوگئے۔ لیکن آپ کے دادا عبد المطلب کے متعلق عرب تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک مالدار آدمی تھے۔ لیکن ابو طالب غریب ہو گئے تھے کیونکہ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے ہمدردی رکھنے کی وجہ سے اُن کی قوم نے اُن سے تعاون کرنا چھوڑ دیا تھا۔ اور حضرت علیؓ ابو طالب کے بیٹے تھے۔ اُس زمانہ میں ریاست اِس قسم کی نہ تھی جو نسلاً بعد نسلٍ ایک ہی حالت میں رہے بلکہ جس طرح پٹھانوں کے آزاد قبائل کے سردار ہوتے ہیں اِسی قسم کے یہ لوگ سردار ہوتے تھے۔ اور کوئی خاص قانون رائج نہ تھا کہ جس کی پابندی کی جائے۔ بلکہ تعاون کی حکومت تھی قانون کی حکومت نہ تھی۔ لیکن اسلام لے آنے کی وجہ سے ان لوگوں کی حالت ایسی ہو چکی تھی کہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے چندے کی تحریک فرمائی۔ میرے دل میں شدید خواہش پیدا ہوئی کہ مَیں بھی اس میں حصہ لوں لیکن پاس کچھ نہیں تھا۔ مَیں باہر نکل گیا اور باہر جا کر ایک

زمیندار سے مَیں نے فیصلہ کیا کہ مَیں تیرے کھیت کو پانی دیتا ہوں تم مجھے اس کے عوض میں کچھ غلہ دے دینا۔ چنانچہ اُس نے تین مُٹھی جَو دینے کا وعدہ کیا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں مَیں ایک پہر یا دو پہر تک اس کے کھیت کو پانی دیتا رہا۔ جب مَیں پانی دے چکا تو اس نے مجھے تین مٹھی جَو دیئے جو مَیں نے لا کر چندے میں دے دیئے۔ تو وجہ یہ نہ تھی کہ صحابہؓ میں باقاعدہ چندے دینے کا رواج نہ تھا بلکہ ان کے پاس چندہ دینے کے لئے مال ہی نہ تھا۔ ورنہ ہمارے مذہب میں چندے کی اتنی اقسام ہیں کہ کوئی قوم ہمارے ساتھ لگّا 1 نہیں کھا سکتی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود بے شک کسی بڑی جائیداد کے مالک نہ تھے لیکن حضرت خدیجہؓ ایک مالدار عورت تھیں۔ انہوں نے نکاح کے بعد تمام مال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نذر کر دیا تھا۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ مکہ کے بڑے بڑے امراء بھی ایسے ہی ہوں گے جیسے گاؤں کے امراء ہوتے ہیں۔ لیکن اُن کا یہ خیال غلط ہے۔ مکہ میں بڑے بڑے مالدار لوگ بھی تھے۔ ان کے مالدار ہونے کا اندازہ اِس سے ہو سکتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد جنگ حنین کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے ایک کافر رئیس سے تیس ہزار درہم قرض لئے اور کئی ہزار نیزہ قرض لیا اور اسی شخص سے کئی سو زِرہیں قرض لیں۔ 2 اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی لکھ پتی آدمی تھا اور ہمارے اس زمانہ کے لحاظ سے کروڑ پتی تھا کیونکہ اس زمانہ میں روپے پیسے کی بہت قدر تھی۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سنایا کرتے تھے کہ مجھے ایک بڈھے سکھ نے سنایا کہ اس نے آٹھ آنے میں گائے خریدی تھی۔ اور مجھے بھی اچھی طرح یاد ہے کہ ہمارے بچپن کے زمانہ میں مہینہ بھر کی صفائی کی اُجرت خاکروب کو چار یا آٹھ آنہ دی جاتی تھی اور اب ایک بوری ایک جگہ سے دوسری جگہ رکھوائی جائے تو مزدور اس کی مزدوری آٹھ آنے مانگتے ہیں۔ لیکن اُس وقت خاکروب آٹھ آنے خوشی سے لے لیتا تھا۔ اِس کی وجہ یہ تھی کہ غلہ اور دوسری کھانے پینے کی چیزیں بہت سستی تھیں۔ ایک روپے کا دس پندرہ مَن غلہ اور چار پانچ سیر گھی آجاتا تھا۔ ایک روپیہ کا ڈیڑھ سیر تو میری ہوش میں بھی تھا۔ جب چار پانچ سیر روپے کا گھی سیر ڈیڑھ سیر ہو گیا۔ تو لوگوں میں شور مچ گیا کہ گھی کا قحط پڑ گیا ہے۔ لیکن اب پانچ روپے سیر بِک رہا ہے۔ پس آجکل روپے کی قیمت اس وقت کے ایک آنے سے بھی کم ہے۔ اس لحاظ سے ہم سمجھ سکتے

ہیں کہ جس کے پاس اس وقت ایک لاکھ روپیہ تھا آج کے لحاظ سے اُس کے پاس بیس پچیس لاکھ روپیہ تھا۔ حضرت خدیجہؓ بھی ان لوگوں میں سے تھیں جو کہ مکہ میں مالدار سمجھے جاتے تھے۔ آپ نے اپنی تمام جائیداد اور روپیہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیا تھا۔ اس کے علاوہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ مکان وغیرہ ورثہ میں بھی ملے تھے۔ لیکن ہجرت کرنے کی وجہ سے وہ سب آپ کو چھوڑنے پڑے۔ جب مکہ فتح ہوا تو صحابہؓ نے عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! آپ کس مکان میں ٹھہریں گے؟ آپ نے جو جواب دیا وہ ایسا دردناک تھا کہ اس کو پڑھ کر انسان کو معلوم ہو سکتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو کس قدر مالی قربانیاں کرنی پڑیں۔ آپ نے فرمایا کیا عقیل☆ نے ہمارے لئے کوئی جگہ مکہ میں چھوڑی ہے کہ ہم اس میں ٹھہریں؟**3** ہمارے خیمے وہاں لگاؤ جہاں کفارِ مکہ نے قسمیں کھائی تھیں کہ ہم محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے ساتھیوں کو تباہ کر دیں گے۔ کتنی بڑی قربانی ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کی۔ ہمارے چندے ان قربانیوں کے مقابل پر کیا حیثیت رکھتے ہیں۔

پھر انصار کی قربانیوں کا تصور تو کرو کہ وہ کس قدر شاندار تھیں۔ جب صحابہؓ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا یعنی ایک ایک انصاری کو ایک ایک مہاجر کا بھائی بنا دیا۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کو بھائی بھائی بنا دیا تو انصار نے اس بات پر اصرار کیا کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! جب مہاجرین ہمارے بھائی بن گئے ہیں اور ان کے پاس گزارے کی کوئی صورت نہیں تو آپ ہماری جائیدادیں برابر برابر ہم میں بانٹ دیں۔ آخر ایک بھائی کو دوسرے بھائی کی جائیداد سے حصہ ملنا چاہئے۔ آپ کیوں ہماری جائیدادیں ہمارے درمیان تقسیم نہیں کر دیتے۔**4** کتنا محبت کا جذبہ ہے جو انصار نے مہاجرین کے لئے ظاہر کیا۔

ہمارے یہاں جلسہ سالانہ کے لئے سال کے بعد چند دنوں کے لئے مکانوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ ہمارے باہر سے آنے والے دوست سینکڑوں اور ہزاروں میلوں کا سفر طے کر کے آتے ہیں۔ کوئی مدراس سے آتا ہے، کوئی بمبئی سے آتا ہے، کوئی کلکتہ سے آتا ہے اور بعض دوست ایسے ہوتے ہیں جو بیرون ہند سے جلسہ سالانہ کے لئے آتے ہیں۔ یہ تمام لوگ سینکڑوں روپیہ

☆ عقیل حضرت علیؓ کے بڑے بھائی تھے۔

خرچ کر کے قادیان آتے ہیں لیکن ہمارے لوگوں میں اِتنا اخلاص اور اتنی محبت بھی نہیں ہوتی کہ وہ سارا مکان نہیں بلکہ مکان کا کچھ حصہ چند دنوں کے لئے خالی کر دیں کہ آؤ بھائی! ہمارے ہاں ٹھہرو اور پانچ سات دن ہمارے ہاں آرام کرو۔ بجائے اِس کے کہ کسی محبت کے جذبہ کا اظہار کریں اکثر لوگ جلسہ سالانہ کے منتظمین کو جواب دے دیتے ہیں کہ ہمارے پاس کسی مہمان کو ٹھہرانے کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ اور بعض کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے اپنے رشتہ دار آنے والے ہیں۔ کوئی کچھ بہانہ بناتا ہے اور کوئی کچھ بہانہ بناتا ہے۔ مگر انصار کی قربانی کو دیکھو کہ انصار بار بار اصرار کرتے تھے کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ہمارا بھائی ہماری جائیداد میں حصہ دار نہ ہو۔ کیا بھائی حصہ نہیں لیا کرتے؟ جب رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے جائیدادیں تقسیم کرنے کی اجازت نہ دی تو انصار نے عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! کم سے کم اتنا تو ہونا چاہئے کہ ان جائیدادوں سے ہمیں جو آمد نیں ہیں آپ وہی ہمارے درمیان تقسیم کرا دیں۔ لیکن رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس کی بھی اجازت نہ دی۔ جب اس کی بھی اجازت نہ ملی تو انصار کے اخلاص اور محبت نے ایک اَور راہ نکال لی۔ وہ یہ کہ ہر مرنے والا انصاری اپنے مہاجر بھائی کے حق میں وصیت کر جاتا تھا کہ عرب دستور میں جو حصہ بھائی کو ملتا ہے میری جائیداد میں سے اتنا حصہ میرے مہاجر بھائی کو دیا جائے اور یہ طریق جاری رہا تاوقتیکہ اللہ تعالیٰ نے اس طریق سے منع نہ فرما دیا۔ انصار نے کوئی راہ مجبور کرنے کا چھوڑا نہیں۔ اُنہوں نے ہر طرح کوشش کی کہ ہمارا مہاجر بھائی ہمارے مال اور ہماری جائیداد میں شریک ہو جائے۔

پھر ہماری وطن کی قربانی بھی اس رنگ کی نہیں جیسی صحابہؓ کی تھی۔ قادیان میں بے شک ایسے مخلصین بھی ہیں جن کو اپنے وطنوں میں ہر قسم کا آرام اور ہر قسم کی سہولت کے سامان میسر تھے اور وہاں ان کی زندگی بہت آرام سے گزرتی تھی۔ لیکن انہوں نے وطن کو اس لئے چھوڑا تا کہ وہ خدا کے نبی کے جوار میں رہ کر زیادہ سے زیادہ اپنے نفسوں کو پاک کر سکیں۔ لیکن ایک کافی تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہے کہ جب ان سے پوچھا جائے کہ آپ نے کیوں ہجرت کی؟ تو وہ جواب دیتے ہیں کہ وہاں بہت تکلیفیں تھیں اور ہمارے لئے ان تکالیف میں رہنا مشکل تھا، اس لئے ہجرت کر لی ہے۔ یا بعض لوگ یہ جواب دیں گے کہ وہاں ہمارے لئے گزارے کی

کوئی صورت نہ تھی اور یہاں گزارے کی دِقّت نہیں رہی۔ گویا ایسے لوگ یا تو تکلیفوں سے بچنے کے لئے یا گزارے کے لئے قادیان آ گئے ہیں۔ ان کے مدنظر کوئی قربانی نہ تھی۔ مگر صحابہؓ میں سے تمام کے تمام ایسے تھے جو دین کی خدمت اور دین کے رستہ میں قربانی کر کے آئے تھے۔ چنانچہ درجنوں آدمی ایسے تھے جو مسجد میں ہی پڑے رہتے تھے اور رسول کریم ﷺ کی وفات تک پڑے رہے تا کہ جب کبھی بھی رسول کریم ﷺ کو کسی خدمت کی ضرورت ہو تو ہم اس وقت حاضر ہوں۔ ایسے لوگوں کی تعداد پچاس سے ڈیڑھ سو، دو سو تک بیان کی جاتی ہے۔ یہ لوگ محض اس لئے مسجد میں پڑے رہتے تھے کہ جب بھی رسول کریم ﷺ کو کوئی ضرورت پیش آئے تو ہم وہ خدمت سرانجام دیں۔ اور ان لوگوں نے دس سال مدنی زندگی کے مسجد میں ہی گزار دیئے۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ مَیں بھوک کے مارے بے ہوش ہو جاتا تھا لیکن مسجد سے باہر نہیں جاتا تھا۔5

جانوں کی قربانی میں ہمارے ہاں سید عبد اللطیف صاحب کی مثال پیش کی جاتی ہے۔ ان کے علاوہ بھی چار پانچ شہادتیں افغانستان میں ہوئیں اور ہندوستان میں اِس قسم کی شہادت تو کوئی نہیں ہوئی۔ بعض ایسے واقعات ہوئے ہیں کہ دشمنوں نے کسی شخص کو احمدیت کی وجہ سے اس طرح مارا کہ وہ بعد میں مر گیا۔ اور گھروں سے نکالے جانے کی مثالیں بھی ہمارے ہاں ملتی ہیں۔ لڑکوں کو لاوارث کر دینے کی مثالیں بھی ملتی ہیں لیکن اس رنگ کی نہیں جس رنگ میں صحابہؓ گھروں سے نکلے تھے۔ جانی قربانی میں ہم میں اور صحابہؓ میں فرق نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ ہم میں سے مرنے والا اس حسرت سے مرتا ہے کہ کاش! مَیں بھی نہ مرتا اور یہ کام بھی ہو جاتا۔ مگر صحابہؓ یہ کہتے تھے کہ ہم کو مرنے دو، ہم تو مر جائیں، کام تو ہوتا ہی رہے گا۔ گویا وہ موت کو خوشی اور راحت کا ذریعہ سمجھتے تھے اور اس خوشی سے جان دیتے تھے کہ دیکھنے والا حیران ہو جاتا تھا کہ ان کو ہوُا کیا ہے؟ لیکن ہماری جانی قربانیاں اس قسم کی نہیں۔ ہاں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس زمانہ کے لحاظ سے دوسری تمام جماعتوں کے مقابلہ میں ہماری جماعت دین کے لئے زیادہ قربانیاں کرتی ہے۔ چونکہ صحابہؓ نے جلد سے جلد شاندار قربانیاں پیش کیں اِس لئے اللہ تعالیٰ کا فضل اُن پر جلد نازل ہوُا اور بہت جلد کامیابی تک پہنچ گئے۔ لیکن ہماری قربانیاں

آہستہ آہستہ ہیں اِس لئے ہمارے لئے کامیابی کا وقت ابھی آہستہ آہستہ آئے گا۔ صحابہؓ نے بہت جلد اپنے نفوس کو پاک کر لیا۔ اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰہ۔ اِس لئے وہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کے جلدی حقدار بن گئے لیکن ہم ابھی اس معاملہ میں بہت پیچھے ہیں۔ اس لئے مَیں نہیں کہہ سکتا کہ یہ مشکلات ضرور ہی ہمارے لئے ترقی کا موجب ہوں گی بلکہ باہر جماعت کی سُستیوں اور غفلتوں کو دیکھتے ہوئے مَیں یہ محسوس کرتا ہوں کہ آنے والے دن زیادہ خطرناک ہوں گے اور زیادہ قربانیوں کا مطالبہ کرنے والے ہوں گے۔ انسان جتنی جلدی قربانیاں کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُتنی جلدی ہی اپنے فضلوں کو اس کے قریب لے آتا ہے۔

اِس کی مثال یوں سمجھ لو کہ ایک شخص چنوں کا ایک ایک دانہ کر کے کھاتا ہے تو اس کا پیٹ گھنٹے میں جا کر بھرتا ہے۔ لیکن ایک اَور شخص جو آدھے پُھلکے کا ایک لقمہ بناتا ہے اس کا پیٹ چند منٹ میں بھر جائے گا۔ صحابہؓ نے جان، مال، عزت، آبرو اور وطن کی قربانی کر کے اس پیمانہ کو جلدی بھر دیا جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مقرر کیا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کا فضل بھی جلدی نازل ہوا۔ اب اگر ہم قطرہ قطرہ کر کے قربانی کریں گے تو وہ پیمانہ مدتوں کے بعد بلکہ صدیوں کے بعد جا کر بھرے گا۔

یا پھر تم اس کی مثال یوں سمجھ لو کہ ایک شخص کسی مزدور سے یہ فیصلہ کر لیتا ہے کہ تم اتنے گھڑے بھر دو تو مَیں تمہیں اتنی اجرت دوں گا۔ اس مزدور نے بہت بڑی مشک لی جس کے اٹھانے سے اسے سخت تکلیف پہنچتی تھی اور بہت جلد پندرہ منٹ یا آدھ گھنٹہ میں وہ سارے گھڑے بھر دیئے۔ اب وہ شخص پندرہ منٹ یا آدھ گھنٹہ کے بعد اس انعام کا مستحق ہو گیا جو اس کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ لیکن ایک اَور انسان ہے جس کو گھڑے بھرنے پر لگایا گیا۔ اس نے بجائے کوئی مشک وغیرہ لینے کے بچوں کے کھیلنے کی کٹوری لی اور پانی بھرنا شروع کیا۔ آدھ میل پر پانی تھا۔ وہ ایک کٹوری لاتا اور گھڑے میں ڈال جاتا۔ پھر دوسری کٹوری لینے جاتا۔ ممکن ہے کہ اس کے دوسری کٹوری لانے تک پہلا پانی گھڑا ہی چوس جائے اور بالکل ممکن ہے کہ اسے وہ گھڑے بھرنے میں کئی مہینے بلکہ کئی سال لگ جائیں۔ بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ساری عمر میں بھی نہ بھر سکے۔ یہ شخص ساری عمر میں بھی ان گھڑوں کو نہ بھر سکے گا۔ لیکن پہلے شخص نے

تکلیف برداشت کر لی اور ایک بہت بڑی مشک لے کر پندرہ منٹ یا آدھ گھنٹہ میں اُن گھڑوں کو بھر دیا اور اُسے اُس کا انعام آدھ گھنٹہ کے بعد مل گیا۔

بالکل اِسی طرح ہمارے لئے یہ ممکن ہے کہ ہم اپنی قربانیوں کو تیز کر کے خدا کے انعاموں کے جلدی وارث بن جائیں۔ اور ہمارے لئے یہ بھی ممکن ہے کہ ہم قربانیاں کرنے میں دیر اور سُستی سے کام لیں اور اللہ تعالیٰ کے انعامات کو پیچھے کرتے جائیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہم سے مشروط ہے۔ ہم جتنی جلدی اپنی قربانیاں پیش کریں گے اللہ تعالیٰ اتنی جلدی ہی اپنا وعدہ پورا کرے گا اور ہم جتنی سستی سے کام لیں گے اتنا ہی اللہ تعالیٰ کا وعدہ پیچھے ہٹتا جائے گا۔

پس مَیں جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنے نفسوں میں غور کرے اور کسی فیصلے تک پہنچنے کی کوشش کرے اور اپنے دلوں کو قوی کر کے اور اپنے حوصلوں کو بلند کر کے قربانیوں کے اس رستہ کو اختیار کرے جو جلد سے جلد ہمیں اللہ تعالیٰ کے فضلوں کا وارث بنا دے۔ ہمارا قربانیوں کا موجودہ طریق ایسا ہے کہ اِس کے متعلق مَیں نہیں کہہ سکتا کہ اس طرح وہ کام جو ہمارے سپرد کیا گیا ہے صدیوں میں بھی ہو سکے گا یا نہیں۔ اگر ہم یہ خواہش رکھتے ہیں کہ ہم جلدی اس کام کو سرانجام دے لیں تو ہمیں اپنے اندر غیر معمولی تبدیلی پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ ایسی تبدیلی کو ہم تو ہم غیر بھی محسوس کرنے لگیں کہ اب یہ لوگ کچھ اَور ہی بن گئے ہیں۔ جب تک یہ تبدیلی اور یہ تغیر تم اپنے اندر پیدا نہیں کرتے اس وقت تک تمہیں کسی عظیم الشان کامیابی کی امید نہیں رکھنی چاہئے۔ میرے نزدیک تو اکثر لوگ اس عہد کو ہی بھول جاتے ہیں جو انہوں نے بیعت کے وقت کیا تھا کہ مَیں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا۔ اگر لوگوں کو اپنا عہد یاد ہوتا تو مجھے وقفِ زندگی کا مطالبہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ بیعت کے معنے ہی اپنے آپ کو بیچ دینے کے ہیں لیکن اگر ان باتوں کو نظر انداز بھی کر دیا جائے کہ عام لوگ اس عہد کو بھول جاتے ہیں تو پھر کم سے کم وہ لوگ جو اپنی زندگی وقف کرتے ہیں ان کو ہی بیعت کا مفہوم اور وقف زندگی کے معنے سمجھنے چاہئیں۔ جب ایک شخص زندگی وقف کرتا ہے تو وہ خود یہ معاہدہ کرتا ہے کہ مَیں کسی تنخواہ کا مستحق نہیں ہوں گا۔ مَیں بھوکا رہوں گا، اگر مجھے پیدل چلنا پڑے گا تو پیدل چلوں گا، خواہ مجھے دنیا کے کناروں تک ہی کیوں نہ پیدل چلنا پڑے، آپ جہاں بھیجیں

گے مَیں جاؤں گا۔ اور اگر اپنے خرچ پر جانے کے لئے کہا جائے گا تو اپنا خرچ کر کے جاؤں گا۔ یہ سب باتیں معاہدہ کرنے والا اچھی طرح پڑھتا اور سنتا ہے اور ان پر دستخط کرتا ہے کہ یہ ساری شرائط مجھے منظور ہیں۔ لیکن جب اسے کام پر لگایا جاتا ہے تو کچھ دنوں کے بعد اس کا خط آجاتا ہے کہ آپ نے مجھے فلاں جگہ پر بھیجا تھا یہاں مجھے روٹی پانی کی بہت تکلیف ہے مَیں گھر جارہاہوں۔ امید ہے کہ آپ معاف فرمائیں گے۔ آپ جیسے رحیم و کریم انسان سے یہی امید ہے کہ آپ ضرور معاف فرمائیں گے۔ حیرت آتی ہے کہ یہ لوگ کس طرح خیال کرتے ہیں کہ باوجود ان حالات کے کام صحیح طور پر ہوتا چلا جائے گا۔ جب اینٹیں ہی نہیں ہوں گی تو معمار عمارت کیسے بنائے گا۔ جب کپڑا ہی نہیں ہو گا تو درزی سیئے گا کیا؟ جب آٹا ہی نہیں ہو گا تو روٹی کیسے پکے گی۔ اگر آٹے کے بغیر روٹی نہیں پک سکتی، اگر کپڑے کے بغیر درزی کوئی لباس تیار نہیں کر سکتا، اگر اینٹوں کے بغیر معمار عمارت نہیں بنا سکتا تو خلفاء اور ائمہ آدمیوں کے بغیر کس طرح کام چلا سکتے ہیں۔ جب تم میں سے ایک حصہ انسان کہلانے کا ہی مستحق نہیں تو یہ سمجھنا کہ ایسے لوگوں کی فرضی قربانیوں سے کوئی تغیّر ہو سکتا ہے محض اپنے نفس کو دھوکا دینا ہے۔ جو شخص وقف کرتا ہے اس کو چاہئے کہ سمجھ سوچ کر وقف کرے۔ اس کو کوئی شخص زندگی وقف کرنے کے لئے مجبور تو نہیں کرتا لیکن جب وہ زندگی وقف کر دیتا ہے تو پھر اس کا فرض ہے کہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھے۔ اور پھر اس سے زیادہ رونے کا مقام تو یہ ہے کہ جب ایسے لوگ اپنی جگہ سے بھاگ جاتے ہیں تو جماعتوں کی جماعتیں ان کی سفارش کرنا شروع کر دیتی ہیں کہ آپ تو بڑے رحیم و کریم ہیں۔ نادان تھا غلطی ہو گئی آپ اسے معاف کر دیں۔ جو لوگ ان کی سفارش کرتے ہیں مَیں ان کو عقلمند نہیں سمجھتا۔ میرے نزدیک یہ لوگ نادانی کی وجہ سے سفارش کرتے ہیں ورنہ اگر ان کی سفارش کی تشریح کی جائے تو اس کے معنے یہی بنتے ہیں کہ وہ دوسرے لفظوں میں اقرار کرتے ہیں کہ ہم بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام کی عزت نہیں کرتے اور ان کی ہمارے دل میں کوئی وقعت نہیں۔ جو شخص سفارش کرتا ہے گویا وہ اپنے منہ سے اقرار کرتا ہے کہ مَیں اس بھاگنے والے سے بڑھ کر بے ایمان ہوں۔ بھاگنے والا تو مجرم ہے، اُس نے تو اپنے فعل سے اپنے اوپر بے ایمانی کی مُہر ثبت کی اور یہ سفارش کرنے

والا اس کی سفارش کرکے اس کی بے ایمانی میں شریک ہوتا ہے۔ ایسے موقع پر صحابہؓ کا نمونہ ایسا پُر اخلاص اور ایسا شاندار تھا کہ اُس کو پڑھ کر انسان کو وجد آجاتا ہے۔

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنگِ تبوک کے لئے تشریف لے گئے تو ایک صحابی سفر پر گئے ہوئے تھے۔ وہ کچھ عرصے کے بعد سفر سے واپس آئے تھے۔ اپنی جوان اور خوبصورت بیوی سے جدا رہنے کی وجہ سے اُن کے دل میں محبت کے جذبات موجزن تھے۔ گھر میں آئے تو اپنی بیوی کی طرف بڑھے کہ اُسے گلے لگائیں۔ لیکن بیوی نے آگے سے دھکّا دیا۔ وہ حیران ہوئے اور پوچھا کہ کیا بات ہے؟ بیوی نے کہا تمہیں شرم نہیں آتی کہ خدا کا رسول تو خطرے میں ہے اور تمہیں پیار کی سُوجھ رہی ہے۔ بیوی کی یہ بات سن کر انہوں نے دوسری نظر بیوی کی طرف نہیں اُٹھائی بلکہ اپنا اسلحہ لے کر گھوڑے پر سوار ہو کر لڑائی کے لئے روانہ ہو گئے۔ یہ لوگ تھے قربانی کرنے والے۔ اور اس کا نام ہے قربانی اور وفائے عہد۔ اس کے سامنے وقفِ زندگی کیا حیثیت رکھتا ہے۔ لاکھوں کی جماعت میں سے چار پانچ سو آدمیوں نے زندگیاں وقف کیں اور ان میں سے بھی بعض ایسے ہیں جو معمولی معمولی باتوں پر بھاگ جاتے ہیں کہ یہاں روٹی اچھی نہیں ملتی یا مجھے 35 روپے ملنے کی امید تھی لیکن مجھے 30 دیئے جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی سفارش کرکے اپنی بے ایمانی پر مہر ثبت کرنا نہیں تو اَور کیا ہے۔ وہ مجھے رحیم و کریم کہہ کر مجھ سے معافی لینا چاہتے ہیں۔ گویا مَیں رحیم و کریم بنوں بے ایمانوں کے لئے۔ اور ظالم بنوں خدا اور اُس کے رسول کے لئے۔

دوستوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ ہماری جماعت کی ترقی کا دار و مدار وقف پر ہے لیکن ایسا وقف جو کہ کسی وقت اَور کسی حالت میں پیٹھ دکھانے کو تیار نہ ہو۔ اور ہر احمدی کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اُس کی زندگی، اُس کا مال، اُس کے اوقات سب کے سب اسلام اور احمدیت کے لئے وقف ہیں۔ آخر مَیں نے وقف کی تحریک علیحدہ طور پر جاری کی۔ یہ مطالبہ کسی نئی تحریک کی علامت نہیں تھا بلکہ یہ اس بات کی علامت ہے کہ مَیں جماعت کی قربانی پر حُسنِ ظنّی نہیں کرتا ورنہ بیعت کے بعد وقف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بار بار وقف کی تحریک کیا کرتے تھے؟ بلکہ آپ نے بیعت کو ہی کافی سمجھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپؐ نے

بیعت کے وقت صحابہؓ کے چہروں سے نورِ ایمان دیکھ لیا۔ اس لئے آپ کو کسی عہد کی ضرورت پیش نہ آئی۔ لیکن مَیں نے وہ نورِ ایمان تمہارے چہروں سے نہیں دیکھا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کے چہروں سے دیکھا تھا۔ مَیں نے سمجھا کہ مَیں تم کو یک دم قربانیوں کے لئے بلاؤں تو تم میں سے کئی مرتد ہو کر بھاگ جائیں۔ اس لئے مَیں نے مناسب سمجھا کہ تم کو آہستہ آہستہ قربانی کی عادت ڈالوں اور اس جماعت کے پیدا کرنے کے لئے مَیں نے تم میں سے بعض کو چُنا تا کہ وہ دوسروں کے لئے مثال بنیں۔ ان لوگوں میں سے بعض کمزور ثابت ہوئے ہیں۔ بہت سے ثابت قدم بھی ہیں۔ لیکن اب جس قسم کا زمانہ آرہا ہے اِس میں چند آدمیوں سے کام نہیں چل سکے گا۔ اس لئے جماعت وقف کے سلسلہ میں کثرت سے آگے آئے یا پھر جماعت کا ہر فرد اپنے آپ کو وقف سمجھے۔ اور یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرے کہ میری بھلائی، میری ترقی اور میری راحت اس میں نہیں کہ مَیں زندہ رہ کر آرام سے دن بسر کروں۔ بلکہ میری خوشی اور میری راحت اس بات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے اِذن ملے تو مَیں اُس کی راہ میں قربان ہو جاؤں۔" (الفضل 21 ستمبر 1946ء)

1: لَگّا: لَگّا کھانا: مطابقت کھانا، ہم پلہ ہونا، برابر کا ہونا، نسبت رکھنا، (فیروز اللغات اردو جامع مطبوعہ لاہور)

2: السیرۃ الحلبیۃ جلد 3 صفحہ 152، 153 دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان 2002ء

3: السیرۃ الحلبیۃ جلد 3 صفحہ 123 دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان 2002ء

4: بخاری کتاب مناقب الْاَنْصَار باب اِخَاءِ النَّبِیّ صلی اللہ علیہ وسلم (الخ)

5: بخاری کتاب الرِّقَاق، باب کَیْفَ کَانَ عَیْش النَّبِیّ صلی اللہ علیہ وسلم وَ اَصْحَابِہٖ (الخ)